مولانا روم ''فن اور شخصیت''

الحمدللہ وکفیٰ وسلام علی المرسلین نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم، ربی زدنی علما

جناب صدر استاذ الاساتذہ حضرت العلام شیخ الحدیث مولانا مفتی اشرف علی باقوی دامت برکاتہم، ونائب صدوران عالم رابطۂ اسلامی، وجنرل سکریٹری جناب مولانا سید مصطفیٰ جیلانی دامت برکاتہم واراکین رابطہ عالم اسلامی، مقالہ نگار حضرات وسامعین اکرام اسلام علیکم ورحمتہ اللہ برکاتہٗ، میں ارباب حل وعقد کا شکر گذار ہوں کہ اس احقر کو اس سیمنار میں اپنے طالب علمانہ خیالات کے اظہار کا موقع عنایت فرمایا۔

آج کا یہ سیمینار بہت ہی اہم موضوع پر منعقد ہونے جارہا ہے جس کا عنوان ہے، ''مولانا روم شخصیت اور فن'' اس موضوع پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالنے کے لئے دفتر کے دفتر درکار ہیں لیکن وقت کا تقاضا ہے کہ اجمالی طور پر اس کا جائزہ لیا جائے۔ اسی لئے میں یہاں مولانا روم کی حیات کی جھلک کے ساتھ مثنوی کا صرف ایک پہلو فلسفہ الاہیات پر مختصر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا۔

عالمی ادب میں فارسی کی جن چار تصانیف کو آفاقی شہرت حاصل ہوئی ان میں مثنوی مولانا روم کا شمار سب سے پہلے کیا جاتا ہے۔ اس کا سبب اس کا تقدس ہے مثنوی کی سادگی، صفائی، برجستگی ودلآویزی سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں سعدی کے حکایات کی چاٹ، فردوسی کے انداز بیان کا لطف، حافظ کی ندرت فکر کی جھلک کے علاوہ شمس تبریز، فریدالدین عطار، نجم الدین رازی وشیخ شہاب الدین سہروردی جیسے مشائخ کبار کے ذکر وفکر کا نچوڑ بھی موجود ہے۔ ان عام خصوصیات سے بالاترین چیز جو اس مثنوی میں دکھائی دیتی ہے وہ ہے مولانا کی عالمانہ، صوفیانہ وحکیمانہ جاہ وجلال جو مثنوی کو ہماری مذہبی، ادبی وعلمی کا کوہ نور بنا رکھا ہے۔

مولانا کی پیدائش ۶ ربیع الاول ۶۰۴ھ بلخ میں ہوئی، آپ کا نام محمد، جلال الدین لقب ہیخد اوندخطاب، مگر شہرت مولانا روم کے عنوان سے عبارت ہے۔ سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جاملتا ہے۔ محمد آپکے والد اور دادا کا بھی نام ہے آپ کے والد کا لقب بہاؤالدین اور وطن بلخ تھا بڑے صاحب علم وفضل بزرگ تھے اور سارے خراسان میں مشہور ومعروف تھے سلطان العلماء انکا خطاب تھا۔ خود آپ کے دادا بلخ کے بہت بڑے عالم دین اور باکرامت شیخ طریقت تھے۔ عوام میں غیر معمولی اثر تھا۔ امراء وو، زراء، روساء، سالکین ان کا بڑا ادب واحترام کرتے تھے، سلاطین وقت ان کی اس قدر عزت کرتے تھے کہ محمد خوارزم شاہ جس کی سلطنت خراسان سے لے کر ایران وعراق تک پھیلی ہوئی تھی بڑا با اقتدار فرمانروا تھا اپنی بیٹی کی شادی آپ سے کردی۔ بہاؤالدین انہیں کے بطن سے پیدا ہوئے۔ بہؤالدین کا وہ رتبہ تھا کہ بادشاہ وقت آپ کے حلقہ بگوشوں میں تھا اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا، اس زمانے کے مفکر اعظم یونانی فلسفہ کے ماہر امام فخرالدین رازی بھی بادشاہ کے ساتھ آپ کے حلقہ میں شامل ہوتے۔ اثنائے گفتگو میں بہاءالدین فلسفہ دانوں کی عموماً اور فلسفہ یونانی کی خصوصاً خوب مذمت کرتے اور فرماتے کہ جن لوگوں نے کتب سماوی کو پس پشت ڈال دیا اور فلسفہ کو ہی سب کچھ سمجھ رکھا ہے وہ نجات کی کیا امید کرسکتے ہیں۔ امام رازی کو یہ ناگوار گذرتا لیکن بادشاہ کے لحاظ ملحوظ ہوتا خاموشی سے برداشت کرجاتے۔

شیخ کی مقبولیت حد سے بڑھ گئی تو بادشاہ اور امام رازی کے دل میں کھٹک محسوس ہوئی، ایک مرتبہ خوارزم شاہ مولانا کے پاس گیا تو وہاں ہزاروں کا مجمع دیکھ کر امام رازی سے کہا کس غضب کا مجمع ہے۔ امام صاحب ایسے ہی موقع کے منتظر تھے فوراً کہا کہ ابھی سے تدارک نہ کی جائے تو پھر مشکل پڑے گی، بادشاہ نے امام صاحب کے مشورہ پر خزانہ شاہی اور قلعہ کی کنجیاں بہاءالدین کے پاس بھیج اور کہلا بھیجا کہ اسباب سلطنت میں صرف یہ کنجیاں میرے پاس رہ گئی ہیں وہ بھی حاضر ہیں۔ مولانا بہاؤالدین بادشاہ کا منشا تاڑ گئے فرمایا جمعہ کے وعظ کے بعد چلا جاؤں گا۔ جمعہ کے دن تین سو خاص مریدین کے ساتھ بلخ سے نکل پڑے بادشاہ کو آپ کے اس عمل سے بہت پچھتاوا ہوا، منت سماجت کی، لیکن آپ نے اپنا ارادہ نہ بدلا۔ ۶۱۰ھ میں نیشاپور پہنچے، خواجہ فریدالدین عطار سے ملے، اس وقت مولانا روم کی عمر چھ برس کی تھی۔ لیکن سعادت کا ستارہ پیشانی سے چمک رہا تھا، فریدالدین عطار نے شیخ بہاؤالدین سے کہا کہ اس جوہر نایاب سے غافل نہ رہنا یہ کہہ کر اپنی مثنوی اسرارنامہ مولانا کو عنات کی جس کو مولانا آخر دم تک نہایت عزیز رکھتے تھے۔ نیشاپور سے شیخ بہاؤالدین بغداد پہنچے، پھر حج کو روانہ ہوگئے۔ واپسی پر قونیہ چلے گئے اور اسی کو وطن نالیا۔ یہاں ۶۲۸ھ میں انتقال فرمایا۔

مولانا کی تعلیم وتربیت

آپکی ابتدائی تعلیم وتربیت والد صاحب کے سایہ عطوفت میں ہوئی۔آپ کے مریدوں میں سید برہان الدین محقق بڑے پایہ کے فاضل تھے،شیخ نے مولانا کو ان کی آغوش تربیت میں دے دیا۔مولانا نے اکثر علوم وفنون انہیں سے حاصل کئے۔اٹھارہ برس کی عمر میں مولانا اپنے والد کے ساتھ قونیہ پہنچے۔۶۲۱ھ میں آپکی شادی سمرقند کی ایک صاحبزادی گوہر خاتون سے ہوئی۔یہ نہایت شریف،باعزت وار دولت مند مہاجر خواجہ شرف الدین سمرقندی کی صاحبزادی تھی۔یہیں ۶۲۳ھ میں مولانا کے سب سے بڑے صاحبزادے سلطان ولد کی ولادت ہوئی،آپ کے دوسرے صاحبزادے علائدالدین بھی یہیں پیدا ہوئے،اسی زمانے میں مولانا بہاؤالدین کی تجویز پر امیر بدرالدین گہرتاش جو بادشاہ کا اتالیق تھا مولانا کے درس کے لئے ایک مدرسہ تعمیر کروایا جس کا نام ''مدرسہ خداوندگار'' تھااس کے مصارف کے لئے ایک بڑا وقف مقرر کردیا۔طلباء کی رہائش کے لئے دارالاقامہ بھی تعمیر ہوا۔والد کے انتقال کے بعد ۲۵ سال کی عمر میں تحصیل وتکمیل علم کے لئے حلب اور دمشق چلے گئے۔اس زمانے میں دمشق اور حلب علوم وفنون کے مرکز تھے،وہاں بیس بڑے دارالعلوم موجود تھے سلطان صلاح الدین کے بیٹے الملک الظاہر نے حلب میں بڑے بڑے مدرسے قائم کئے تھےاور حلب بھی دمشق کی طرح مدینۃ العلوم بن گیا تھا مولانا نے اوّل حلب کا قصد کیااور مدرسہ حلاویہ کی دارالاقامہ میں قیام کیا۔مدرسہ کے مدرس کمال الدین ابن عدیم حلبی تھے وہ محدث،حافظ،مورخ وفقیہ،کاتب،مفتی اور ادیب تھے۔مولانا نے ان سے خوب فیض حاصل کیااس کے علاوہ حلب کے دیگر مدرسوں سے کسب فیض حاصل کیا۔فقہ حدیث اور تفسیر میں اس قدر مہارت حاصل کرلی کہ جب کوئی مشکل مسئلہ درپیش آتا وارکسی سے حل نہ ہوتا تو لوگ ان کی طرف رجوع کرتے۔

مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے آپ دمشق تشریف لے گئے۔مدرسہ مقدسیہ میں آپ کا قیام رہا۔سات برس تک دمشق میں تعلیم حاصل کی اس وقت آپ کی عمر چالیس برس کی تھی۔علوم درسیہ میں نہایت اعلٰی درجہ کی مہارت ہیدا کرلی۔معارف باطنیہ سے بھی غافل نہ رہے۔شیخ محی الدین عربی،شیخ سعدادلین حموی،شیخ وحد الدین کرمانی،شیخ صدرالدین قونوی جیسے جید شیوخ سے صحبتیں رہیں۔شمس تبریز کو آپ نے پہلے یہیں دیکھا تھا۔دمشق سے ۶۳۶ھ میں قونیہ واپس آگئے اور یہیں مستقل طور پر رہنے لگے۔۴۲ سال کی عمر میں مولانا کو اپنے والد کا جانشین بنادیا گیااوران کا سلسلہ درس وارشاد جاری رہا۔مولانا کے والد کے انتقال کے وقت آپ کے استاد محترم برہان الدین ترمذ میں تھے یہ خبرسن کرقونیہ پہنچے شاگرد اور استاد کی ملاقات ہوئی۔دونوں نے ایک دوسرے کو گلے لگایا اور دیر تک بے خودی کے عالم میں رہے۔استاد نے شاگرد کا امتحان لیا تمام علوم میں کامل پایااور کہا کہ علم باطن رہ گیا ہے وہ آپکے والد کی امانت ہے جو میں تم کو دیتا ہوں چنانچہ استاد نے نو برس تک طریقت اور سلوک کی تعلیم دی۔اس زمانے میں مولانا ان کے مرید ہوگئے۔مولانا نے جابجا اپنے استاد کا نام لیا ہے جس طرح ایک مخلص مرید پیر کا نام لیتا ہے۔

نو برس کی صحبت کے باوجود مولانا پر علوم ظاہری کا رنگ ہی غالب رہا۔علوم دینیہ کا درس دیتے،وعظ کہتے،فتوے لکھتے تھے سماع سے احتراز کرتے،ان کی زندگی کا دوسرا دور درحقیقت شمس تبریز کی ملاقات سے شروع ہوتا ہے جو اتنا اہم ہے کہ ایک تفصیل باب چاہتا ہے۔محقق ترمذی کا انتقال ۶۳۷ھ میں ہوا۔یہ خبرسن کر کچھ دنوں کے لئے قیصریہ تشریف لے گئے۔مولانا کا اہم شغل مریدوں کی باطنی تربیت وار ہدایت کے ساتھ ساتھ درس وتدریس بھی تھا۔وعظ کا معمول تھا کہ قاری قرآن مجید سے کوئی آیت تلاوت کرتا۔آپ اس کے معنی ونکات بیان کرتے۔آپ کو فتویٰ نویسی سے بھی گہرا تعلق تھا۔بیت المال سے اس خدمت کے لئے ایک دینار روزینہ مقرر تھا۔یہ مشاغل ۶۴۲ھ تک برابر قائم رہا۔اس عرصہ میں آپ کی زندگی خالص عالمانہ رہی۔زہدوتقویٰ،عبادت وریاضت،درس وتدریس،وعظ وتلقین مولانا کی زندگی تھی۔قوالی وسماع سے بچتے تھے۔شعروشاعری سے بھی تعلق نہ تھا۔ہرعمل سے عالمانہ شان نمایاں تھی۔یہ زندگی کا پہلا دور تھا جو شمس تبریز سے ملاقات کے بعد بالکل بدل گیا۔ایسا انقلاب آیا کہ کایا پلٹ گئی۔علم قال سے رشتہ ٹوٹ گیا درس وتدریس وتذکیر چھوٹ گئے۔عالمانہ لباس کو خیر باد کہا۔سجادہ نشینی کا بھاری بھرکم پن بھی رخصت ہوا۔مریدوں کی تلقین وتربیت میں بھی بے التفاتی شروع ہوئی۔احوال کی منزل اختیار کی۔سماع وقوالی سے رغبت پیدا ہوگئی۔انہاک اس قدر بڑھا کہ لوگ انگشت نمائی کرنے لگے۔رقص وچرخ معمول بن گئے۔شاعری فطرت میں تھی لیکن عالمانہ شکوہ اور سجادہ نشینی کے جاہ وجلال میں دبی ہوئی تھی۔شوق وسرمستی ابھر آئی۔مصنوع غلاف کو پارہ پارہ کردیا۔سخن کا فطری جذبہ غزلوں رباعیوں کے راستہ سے شہرآفاق مثنوی میں نمایاں ہونے لگا۔۶۴۲ھ بہت اہم سال ہے جب کہ مولانا کی عام زندگی صوفیانہ رنگ میں ڈھل گئی۔یہ آپ کی زندگی کا نیا موڑ تھا۔زندگی کا ڈھانچہ بدل گیا۔تصورات بدل گئے،خیالات وعقائد میں تغیر آگیا،تصوف کی نئی افق ابھرنے لگی،نئی منزلیں نظر آنے لگیں یہ سب کچھ شمس تبریز کی صحبت کا اثر تھا۔

اس زمانے میں ہلاکوخاں کے سپہ سالار بیچوخاں نے قونیہ پر حملہ کر دیا اور شہر کے چاروں طرف اپنی فوجیں پھیلا دیں۔ اہل شہر محاصرہ سے تنگ آ کر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ایک ٹیلے پر بیچوخاں کے خیمہ گاہ کے سامنے مصلہ بچھا دیا اور نماز شروع کر دی۔ بیچوخاں کے سپاہی ان پر تیر چلانا چاہا لیکن کمانیں کھنچ نہ سکیں گھوڑے بڑھائے کہ تلوار سے قتل کر دیں لیکن گھوڑے اپنی جگہ سے ہل نہ سکے تمام شہر میں غل مچ گیا آخر بیچوخاں کو خبر ملی اس نے خود خیمہ سے نکل کر کئی تیر چلائے لیکن سب ادھر ادھر چلے گئے جھلا کر گھوڑے سے اتر پڑا۔ مولانا کی طرف چل پڑا لیکن پاؤں نہ اٹھ سکے۔ آخر محاصرہ چھوڑ کر چلا گیا۔

مدت تک مولانا شمس تبریز کی جدائی نے بے قرار و بے تاب رکھا۔ ایک دن اسی جوش و خروش کی حالت میں گھر سے نکلے راہ میں شیخ صلاح الدین زرکوب کی دکان تھی۔ وہ چاندی کے ورق کوٹ رہے تھے مولانا پر ہتھوڑے کی آواز نے سماع کا اثر پیدا کر دیا وہیں کھڑے رہ گئے وجد کی حالت طاری ہوگئی شیخ نے مولانا کی حالت دیکھ کر اسی طرح ورق کوٹتے رہے یہاں تک کہ بہت سی چاندی ضائع ہوگئی لیکن انہوں نے ہاتھ نہیں روکا آخر شیخ باہر نکل آئے۔ مولانا نے ان کو آغوش میں لے لیا اور اسی جوش و سرمستی میں دوپہر سے عصر تک یہ شعر گاتے رہے

عصر تک یہ شعر گاتے رہے

یکے گنجے پدید آمد دکان زرکو بی

زہے صورت، زہے معنی، زہے خوبی، زہے خوبی

یعنی اس زرکوب کی دکان سے ایک خزانہ مل گیا، کیا عجیب صورت ہے، کیا عجیب معنی ہیں، کیا عجیب خوبیاں ہیں کیا عجیب خوبیاں ہیں۔ دونوں بزرگ جوش و سرمستی کے عالم میں ظہر سے عصر تک اسی وجدی کیفیت میں مبتلا رہے۔ اس کے بعد شیخ صلاح الدین نے اپنی ساری دکان لٹا دی اور مولانا کے ساتھ ہو لئے۔ صلاح الدین پہلے بھی صاحب حال بزرگ تھے سید برہان الدین سے بیعت تھے اور اس طرح مولانا کے مم استاد تھے۔ اب مولانا کو صلاح الدین کی صحبت میں سکون آنے لگا اور ان دونوں کی صحبتیں گرم ہونے لگیں۔ نو برس تک ان صحبتوں کا سلسلہ جاری رہا ۶۶۲ھ میں جب صلاح الدین کا انتقال ہوگی تو مولانا اپنے مرید خاص حسام الدین چلپی کو اپنا ہمدم و ہم راز بنالیا۔ مولانا کو حسام الدین سے اس درجہ تعلق خاطر پیدا ہوا کہ ان کا ذکر ایسے الفاظ سے کرنے لگے جیسا کہ کوئی اپنے مرشد و پیر کا ذکر کرتا ہے۔ پھر بھی حسام الدین مولانا کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ مولانا کے وضو خانہ میں وضو کرنا بھی گستاخی تصور کرتے تھے اور برف باری کے وقت اپنے گھر جا کر وضو کرتے تھے۔ حسام الدین ہی مولانا کے مثنوی لکھنے کا باعث ہوئے ہیں اور مولانا نے ہر دفتر میں نہایت عزت و احترام سے ان کا ذکر کیا ہے۔ ۶۷۲ھ میں قونیہ میں بڑی شدت کا زلزلہ آیا۔ کئی روز تک اس کے جھٹکے محسوس ہوتے رہے۔ اہل شہر نے مولانا سے اس پریشانی کا ذکر کیا تو مولانا نے فرمایا کہ زمین بھوکی ہے، کوئی لقمہ تر چاہتی ہے اور انشاء اللہ کامیاب ہوگی۔

چند روز بعد مولانا کا مزاج ناساز ہوا۔ طبیبوں نے معالجہ میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ لیکن کوئی تدبیر کارنہ ہوئی۔ مولانا مرض کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوتے تھے۔ بیماری کی شہرت عام ہوئی تو شیخ صدرالدین جو شیخ محی الدین عربی کے تربیت یافتہ تھے مزاج پرسی کے لئے آئے مولانا کیمرض کی کیفیت دیکھ کر بے قرار ہوئے اور مولانا کی شفا کے لئے دعا کرنے لگے۔ مولانا نے سنا تو فرمایا، شفا آپ کو مبارک ہو۔ محبّ اور محبوب میں صرف ایک پیرہن کا پردہ باقی رہ گیا ہے، کیا آپ نہیں چاہتے کہ وہ اُٹھ جائے اور نور میں نور مل جائے۔ اس پر شیخ روتے ہوئے اٹھ کر چلے گئے اور سمجھ گئے کہ اب مولانا کا دم واپسیں ہے۔ چنانچہ یکشنبہ ۵/ جمادی الثانی ۶۷۲ھ کو مغرب کے وقت مولانا ہر مذہب کے لاکھوں انسانوں کو روتا چھوڑ کر عالم آخرت کی طرف روانہ ہوگئے۔ اور قونیہ کی پاک سرزمین میں ہمیشہ کے لئے روپوش ہوگئے۔ رات کفن تجہیز و تکفین کا سامان مہیا کیا گی صبح کو جنازہ اٹھا۔ بچے، جوان، بوڑھے، امیر غریب، عالم، جاہل ڈہر طبقہ کے آدمی جنازے کے سات تھے۔ عیسائی اور یہودی جنازے کے آگے آگے انجیل و توریت پڑھتے اور نوحہ کرتے جاتے تھے۔ بادشاہ وقت جنازے کے ساتھ تھا۔ اس نے یہویوں اور عیسائیوں سے پوچھا، تم کو مولانا سے کیا تعلق؟ بولے کہ یہ شخص اگر تمہارا محمدؐ تھا تو ہمارا عیسیٰ اور موسیٰ۔ شیخ صدرالدین نماز جنازہ پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے لیکن چیخ مار کر بے ہوش ہوگئے۔ آخر قاضی سراج الدین نے نماز جنازہ پڑھائی۔ چالیس دن تک لوگ مزار کی زیارت کو آتے رہے۔ اس وقت سے آج تک مولانا کا مزار مبارک بوسہ گاہ خلائق ہے۔

مولانا روم کے مزار کی رباعی

قونیہ (ترکی) میں جلال الدین رومیؒ کے مزار پر انہیں کی ایک رباعی عمارت کے صدر دروازے پر جلی حروف میں لکھی گی ہے۔

بازآ، بازآ، ہرآب کہ ہستی بازآ گر کافر و گبر و بت پرستی بازآ

ایں درگہ مادرگہ نومیدی نیست سوبار اگر توبہ شکستی بازآ

یعنی واپس آجا، واپس آج، تو جو کوئی بھی ہے واپس آجا۔ اگر تو کافر اور شرک اور بت پرست بھی ہے تو واپس آجا۔ ہماری یہ درگاہ نا امیدی کی درگاہ نہیں۔ اگر تو سو بار بھی توبہ توڑ چکا ہے۔ پھر بھی واپس آجا۔

مولانا کا سلسلہ اب تک قائم ہے اور فرقۂ مولویہ کہلاتا ہے۔ اسکو جلالیہ بھی کہتے ہیں۔ چونکہ مولانا کا لقب جلال الدین تھا اس فرقہ کے لوگ ایشائے کوچک ،شام، مصر اور قسطنطنیہ میں فرقۂ مولویہ سے منسلک ہیں۔ چونکہ مولانا جوش کی حالت میں رقص کرتے تھے مریدوں نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ شاہ بوعلی قلندر پانی پتی ایک عرصہ دراز تک مولانا کی صحبت میں رہے اور ہندوستان آکر فرقہ قلندریہ کی ابتاء کی جو مولانا کی طرف منسوب ہے۔ حسن سلوک آپ کی فطرت تھی۔ ازحد غیور، ظریف، بذلہ سنج، حلیم، تواضع وقناعت پسند تھے۔ مال ودولت سے بےتعلقی آپ کا مزاج تھا۔ کسب حلال اور جدوجہد کو اہمیت دیتے تھے۔ لوگوں کی حاجت براری کے لئے حکام کو سفارشی خطوط لکھنے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ حکام کو خاطر میں نہلاتے تھے۔ امراء سے طبعی نفرت تھی۔

غرض مولانا ایک عظیم ہستی تھے جن کی ذات سے حقیقی، دائمی، لازمی نورانی وانسانی اقدار اجاگر ہوئے۔ وہ صرف گنجینہ علم عرفان بکھیرنے میں ہی مصروف نہ رہے بلکہ سیرت صالحہ ڈتسخیر فطرت، خدمت خلق وعقل وشعور کے موتی بھی رولتے رہے۔ قلب انسان کو آئینہ بنانا آپ کا کام تھا۔ علم وفضل، صبر وشکر، ایمان ویقین، طاعت وعبادت سے مرد مومن کی رہنمائی کی وہ معدن علم وحکمت ڈکشف الحقائق اور جامع العلوم تھے۔